HABIBIA ISLAMICUS (The International Journal of Arabic &Islamic Research) (Bi-Annual) Trilingual (Arabic, English, Urdu)
ISSN:2664-4916 (P) 2664-4924 (E)
Home Page: http://habibiaislamicus.com
Approved by HEC in Y Category
Indexing: IRI (AIOU), Australian Islamic Library, ARI, ISI, SIS, Euro pub.
PUBLISHER HABIBIA RESEARCH ACADEMY
Project of **JAMIA HABIBIA INTERNATIONAL,** Reg. No: KAR No. 2287 Societies Registration Act XXI of 1860 Govt. of Sindh, Pakistan.
Website: www.habibia.edu.pk,
This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

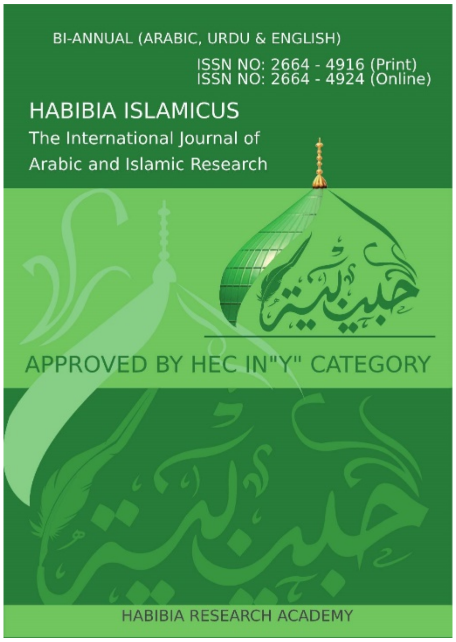

TOPIC:

HINDU MUSLIM POLITICAL RELATIONS: AN OVERVIEW OF THE PARTITION OF INDIA

ہندو مسلم سیاسی تعلقات : تقسیم ہند کا جائزہ

AUTHORS:

1. *Afshan Iqbal, Research Scholar, Dept. of International Relations, FUUAST, Karachi. Email: afshaniqbal41@yahoo.com, Orcid ID: https://orcid.org/0000-0003-2702-9033*
2. *Dr. Asghar Ali Dashti, Dept. of International Relations, FUUAST, Karachi. Email: masghardashti@gmail.com , Orcid ID: https://orcid.org/0000-0003-0754-0555*
3. *Hammad Uddin, Research Scholar, Dept. of Int. Relations, FUUAST, Karachi. Email: hafizhammaduddin@gmail.com , Orcid ID: https://orcid.org/0000-0001-6698-0900*

HOW TO CITE: *Uddin, Hammad, Afshan Iqbal, and Asghar Ali Dashti. 2021. "HINDU MUSLIM POLITICAL RELATIONS: AN OVERVIEW OF THE PARTITION OF INDIA: ہندو، مسلم سیاسی تعلقات : تقسیم ہند کا جائزہ". Habibia Islamicus (The International Journal of Arabic and Islamic Research) 5 (1):35-54. https://doi.org/10.47720/hi.2021.0501u03.*
URL: http://habibiaislamicus.com/index.php/hirj/article/view/175
Vol. 5, No.1 || January –March 2021 || P. 35-54
Published online: 2021-02-10

QR CODE

HINDU MUSLIM POLITICAL RELATIONS: AN OVERVIEW OF THE PARTITION OF INDIA

ہندو مسلم سیاسی تعلقات: تقسیم ہند کا جائزہ

Afshan Iqbal, Asghar Ali Dashti, Hammad Uddin

ABSTRACT
In this article it is examined that end of the British Raj and the independence of India and Pakistan which took place on August 14 and 15, 1947 seems one of modern history's real transformation. This article is based on historical analysis and qualitative approach is adopted in this article. All major political events are analyzed in chronological order. This is a historical study beginning from those factors and forces which played their role to create an independent Muslim state in subcontinent. In this article it is also analyzed that the partition of India and its unavoidable consequences of conflicting and clashing Muslim-Hindu differences and rising communal tensions, the impact of the second World War, the political preferences, British Military Establishment's point of view and interests of the British government during the partition of India. British government had always tried to take benefit from Muslim - Hindu political division.
KEYWORDS: *Hindu Muslim Political relations, the British Raj and the Independence of Pakistan, Muslim-Hindu political division, Hindu-Muslim differences.*

قانون حکومت ہند مجریہ 1935 : برصغیر میں آزادی کی جدوجہد کے حوالے سے جب گول میز کانفرنس کے تینوں اجلاس بھارت کے لیے کوئی قابل قبول اور قابل عمل فارمولا تیار کرنے میں ناکام رہے تو حکومت برطانیہ نے یہ کام اپنے ذمے لے کر ان اجلاسوں کی تجاویز اور سفارشات کو ایک قرطاس ابیض میں 17 مارچ 1933 کو شاءع کیا۔ جسے بعد ازاں پارلیمانی جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا۔ سلیکٹ کمیٹی نے اپنی رپورٹ نومبر 1934 میں پیش کر دی۔ اس رپورٹ کی روشنی میں برطانوی حکومت نے ایک نیا آئینی بل مرتب کیا جو جولائی 1935 میں برطانوی پارلیمنٹ سے پاس ہو کر گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935 کہلایا۔ 1؎ 1935 میں جب نیا گورنمنٹ ایکٹ نافذ ہوا تو اس کی رو سے مرکز میں فیڈریشن اور صوبوں میں خود اختیاری حکومت کا فارمولا طے پایا اور اسی ایکٹ کے تحت بھارت کے تمام صوبوں میں 1937ء میں انتخابات ہوئے۔ جس میں کانگریس کو اکثریت حاصل ہوئی۔ ان انتخابات سے کانگریسی رہنماؤں نے یہ اخذ کیا کہ کانگریس کے ساتھ بھارت کی تمام آبادی ہے اور کانگریس ہی بھارت کے تمام باشندگان کی نمائندگی کرتی ہے اور کانگریس ہی واحد سیاسی جماعت ہے جو انگریزوں کے بعد بھارت کی عنان حکومت سنبھال سکتی ہے۔ چنانچہ کانگریس کے لیڈر پنڈت جواہر لال نہرو نے اس کامیابی پر اعلان کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان میں صرف دو جماعتیں ہیں۔ ایک انگریز کی حکومت اور دوسری کانگریس۔ 2؎ جبکہ محمد علی جناح کا رد عمل کچھ اس طرح تھا کہ انگریزی حکومت اور کانگریس کے علاوہ ایک تیسری جماعت مسلم لیگ بھی ہے جو بھارت کے دس کروڑ مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ انھوں نے کانگریس کے بحیثیت جماعت مسلمانوں کی نمائندگی کے دعویٰ کو در کر دیا۔ 3؎ اسی دوران گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کو

جب قانونی شکل دی گئی تو اس کے تحت مرکزی حکومت کو وفاقی حکومت میں تبدیل کر کے تمام ریاستوں کو اس کے وفاق میں شامل کر لیا گیا ۔وفاقی مجلس قانون ساز کو وفاقی اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹس میں منقسم کر دیا گیا۔ وفاقی اسمبلی کے ارکان کی تعداد 375اور کونسل کے ممبران کی تعداد 260 مقرر کی گئی کونسل آف اسٹیٹس میں چھ رکن وائسرائے کے نامزد کردہ 150 برطانوی ہندوستان کے منتخب شدہ اور 104 ارکان برصغیر کی ریاستوں کے نمائندگان ہوتے تھے۔ وفاقی اسمبلی میں 250 ارکان عام برطانوی ہندوستان اور 125 رکن ریاستوں سے لیئے جاتے تھے۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں بھی گورنر جنرل کے اختیارات حسب سابق وسیع ولا محدود رہے۔ اسے آرڈینس نافذ کرنے، ایکٹ بنانے اور وفاقی اسمبلی کے فیصلوں کو مسترد کر دینے کی آئینی قوت بہر حال حاصل رہی۔ چونکہ وفاقی صیغوں میں دو عملی نظام راءج ہو گیا تھا اس لیے یہ صیغے دو حصوں میں تقسیم کر دیے گئے تھے۔ ایک حصہ وزراء کے ماتحت کر دیا گیا تھا اور دوسرا انتظامی کونسل کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ اسی طرح ایک فیڈرل کورٹ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس میں وفاقی نوعیت کے مقدمات کے علاوہ ملک کی دیگر عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلوں کی سماعت بھی کی جاتی تھی۔ وزیر ہند کی کونسل کا خاتمہ کر دیا گیا۔ صوبوں کو قریب قریب داخلی خود مختاری حاصل ہو گئی اور دو عملی نظام ختم ہو گیا اور تمام صوبائی صیغے صوبائی وزراء کی تحویل میں دے دیے گئے۔ صوبائی مجلس قانون ساز میں توسیع کی گئی اور رائے دہندگی کے قانون کی تسہیل و توسیع میں آئی ہوئی گورنروں کو حسب سابق وسیع اختیارات حاصل رہے ان اختیارات کا تعلق امن عامہ کے قیام، سرکاری ملازمین اور اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت سے تھا۔4 مسٹر آر۔ جی کیسی گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کو خود مختاری سمجھتے ہوئے اسے سائمن کمیشن کی سفارشات سے کافی آگے سمجھتے تھے۔ 1935ء کا ایکٹ خود مختاری کی طرف ایک بڑا اقدم تھا اور وہ سائمن کمیشن کی سفارشات سے بہت آگے بڑھ گیا تھا۔ صوبوں کے اندر ان تمام شعبوں میں ذمہ دار حکومت قائم ہو گئی۔ جو نئی نظام حکومت میں کسی صوبے میں ہو سکتے تھے۔ کیونکہ گورنر وزراء کے مشورے پر عمل کرنے کا پابند تھا۔ مگر چند معاملات میں وہ قانون کے مطابق ان کے مشورے کے خلاف عمل بھی کر سکتا تھا۔ کچھ ایسے معاملات بھی تھے جس میں گورنر بغیر مشورے کے عمل کر سکتا تھا۔ یہ تحفظات بہت ہی کم تھے اور گورنر کو خاص ہدایت تھی کہ وہ اپنے خصوصی اختیارات اس طرح نہ برتے کہ وزراء اپنی واجبی ذمہ داری سے سبکدوش نہ ہو سکیں۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کا دوسرا حصہ اس لیے واضح کیا گیا تھا کہ اس سے پورے بھارت کا وفاق پیدا کیا جائے۔ مگر وہ اس وجہ سے کبھی نافذ نہیں ہوا کہ ملک نے وفاق میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ لہٰذا مرکز اس طرح رہا جس طرح پہلے تھا۔5

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے خلاف مسلمانوں کو سب سے بڑی شکایت یہ تھی کہ ان کے مطالبے کے باوجود ان کے حقوق و مقاصد کی حفاظت کے لیے دستور میں واجب التحصیل دفعات نہیں رکھی گئی تھی۔ بلکہ اقلیتوں کی حفاظت گورنروں اور گورنر جنرل کے خصوصی اختیارات میں داخل کر دی گئی تھی۔ خصوصی اختیارات سے اقلیتوں یعنی مسلمانوں کو اپنے حقوق کی حفاظت کے حوالے سے کچھ خاص تسلی

نہ ہوئی بلکہ ان کا خیال تھا کہ وہ ہندو اکثریت کے مقابلے میں انصاف حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ گورنروں اور گورنر جنرل کے دست نگر رہے گے۔

قرار داد پاکستان : 5 فروری 1940 کو مسلم لیگ کونسل کے اجلاس دلی میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ جب 22 مارچ 1940 کو مسلم لیگ کا ستائیسواں سالانہ اجلاس لاہور میں منعقد ہو تو اس میں ایک قرار داد پیش کی جائے۔ اس قرار داد کا مسودہ سر سکندر حیات خان نے تیار کیا تھا جو ملک کی تقسیم کے مطالبہ کی بنیاد پر تھا۔ جب یہ مسودہ نئی دلی میں محمد علی جناح کے پاس منظوری کے لیے بھیجا گیا تو انھوں نے اسے موضوعاتی کمیٹی کے سامنے رکھ دیا۔ کمیٹی نے اس مسودہ میں خاصی تبدیلیاں کیں جو بعد ازاں قرار داد لاہور کی صورت میں بھارت کے مسلمانوں کے سامنے آئیں۔ 6 یہ قرارداد لاہور 23 مارچ کے اجلاس میں بنگال کے وزیر اعلیٰ مولوی اے کے فضل الحق نے پیش کی تھی، اس قرار داد کی تائید یو پی سے چوہدری خلیق الزماں، سید ذاکر علی، بیگم مولانا محمد علی جوہر، مولانا عبد الحامد بدایوانی، سی پی سے سید عبد الروف شاہ، بہار سے نواب محمد اسماعیل خان، بمبئی سے آئی آئی چند دیگر، سندھ سے جناب عبد اللہ ہارون، قرار داد پاکستان 5 فروری 1940 کو مسلم لیگ کونسل کے اجلاس دلی میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ جب 22 مارچ 1940 کو مسلم لیگ کا ستائیسواں سالانہ اجلاس لاہور میں منعقد ہو تو اس میں ایک قرار داد پیش کی جائے۔ اس قرار داد کا مسودہ سر سکندر حیات خان نے تیار کیا تھا جو ملک کی تقسیم کے مطالبہ کی بنیاد پر تھا۔ جب یہ مسودہ نئی دلی میں محمد علی جناح کے پاس منظوری کے لیے بھیجا گیا تو انھوں نے اسے موضوعاتی کمیٹی کے سامنے رکھ دیا۔ کمیٹی نے اس مسودہ میں خاصی تبدیلیاں کیں جو بعد ازاں قرار داد لاہور کی صورت میں بھارت کے مسلمانوں کے سامنے آئیں۔ 7 یہ قرارداد لاہور 23 مارچ کے اجلاس میں بنگال کے وزیر اعلیٰ مولوی اے کے فضل الحق نے پیش کی تھی، اس قرار داد کی تائید یو پی سے چوہدری خلیق الزماں، سید ذاکر علی، بیگم مولانا محمد علی جوہر، مولانا عبد الحامد بدایوانی، سی پی سے سید عبد الروف شاہ، بہار سے نواب محمد اسماعیل خان، بمبئی سے آئی آئی چند دیگر، سندھ سے جناب عبد اللہ ہارون، بلوچستان سے قاضی محمد عیسیٰ، صوبہ سرحد سے سردار اورنگ زیب خان، پنجاب سے مولانا ظفر علی خان اور ڈاکٹر محمد عالم نے کی۔ 24 مارچ کو اس قرار داد کو اتفاق رائے سے منظور کر لیا گیا تھا۔ اس قرار داد کا متن درج ذیل ہے۔ ;232; کل ہند مسلم لیگ کا یہ اجلاس دستوری معاملات کی نسبت لیگ کونسل اور مجلس عاملہ کی کاروائی تھی جو ان کی تجویز مورخہ 4 اگست، 17، 18 ستمبر اور 22 اکتوبر 1939 اور 3 فروری 1940 سے ظاہر سے توثیق کرتے ہوئے پوری شدت کے ساتھ اس امر کا اعادہ کرتا ہے وفاق جس کی دستور ہند بابت 1935 میں تشریح کی گئی تھی اس ملک کے حالات کے اعتبار سے قطعاً ناموزوں اور ناقابل عمل تھا اور بھارت کے مسلمانوں کے لیے کسی طرح قابل قبول نہیں۔ ملک کی حکومت کی جانب سے واسرائے کے اعلان مورخہ 18 اکتوبر 1939 کی نسبت یہ اجلاس اپنے نقطہ نظر کا اظہار کرتا ہے کہ حکومت ہند کے دستور بابت 1935 کا جہاں تک تعلق ہے اس اعلان کے ذریعے یقین دلایا گیا ہے کہ مختلف جماعتوں فرقوں اور مفادات سے مشورہ کے بعد دستور پر نظر ثانی کی جائے گی۔ بھارت کے مسلمان اس وقت تک مطمئین نہ ہو سکے گے

جب تک کہ پورے دستوری خاکہ پر از سرِ نو غور نہ کیا جائے اور تاوقتیکہ اس کی بابت مسلمانوں کی رضامندی اور توثیق حاصل نہ ہو جائے کوئی غور کردہ خاکہ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ قرار پایا کہ کل ہند مسلم لیگ کے اجلاس کی یہ غور کردہ رائے ہے کہ کوئی دستوری خاکہ اس ملک میں قابل عمل یا مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہ ہو گا جب تک کہ مندرجہ ذیل بنیادی اصول کے تحت مرتب نہ کیا گیا ہو۔ جغرافیائی حیثیت سے متعلق ارضی وحدتوں کے مابین حدود قائم کر کے ان کو جداگانہ علاقوں میں منقسم کیا گیا ہے لیکن جیسا کے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان رقبہ جات میں جہاں یہ تعداد مسلمان اکثریت میں ہیں۔ مثلاً شمالی مغربی اور بھارت کے مشرقی علاقوں کو آزاد ریاستوں کی حیثیت سے ایک دوسرے سے اس طرح متحد کرنا چاہیے کہ ان میں سے ہر ایک وحدت خود مختار ہو۔ ان آزاد علاقوں اور خود مختار وحدتوں کے دستور میں اقلیتوں اور ان کے مذہبی، ثقافتی، معاشی، سیاسی، انتظامی اور دیگر حقوق و مفادات کی حفاظت کے لیے اُن ہی کی اکثریت سے معیّن اور موثر تحفظات مہیا کرنا چاہیئے۔ بھارت کے دیگر علاقوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں دستور میں ان کے لیے معیّن اور موثر تحفظات شامل کیے جائیں۔ تاکہ ان کے مذہبی، ثقافتی، سیاسی، انتظامی اور دیگر حقوق و مفادات کی حفاظت ہو سکے۔ یہ اجلاس مجلسِ عامہ کو اختیار دیتا ہے کہ مذکورہ صدر بنیادی اصولوں کے بموجب ایسی دستوری اسکیم مرتب کرے۔ جس میں ان مختلف مجوزہ ریاستوں کو سارے مسائل مثلاً دفاع، خارجی معاملات، رسل و رسائل، جنگی اور دیگر ضروری امور کا اختیار دیا گیا ہو،[8] قرارداد پاکستان کی منظوری محمد علی جناح کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ بعد ازاں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں اس قرارداد کو لیگ کے آئین میں شامل کیا گیا اور اسے مسلم لیگ کا نصب العین قرار دیا گیا تھا۔

دوسری عالمی جنگ کے اثرات: 3 ستمبر 1939ء کو دوسری عالمی جنگ کا آغاز ہوا۔ اس جنگ میں جرمنی برطانیہ اور فرانس کے ساتھ برسر پیکار تھا۔ جس کا براہ راست اثر برصغیر پر تھا۔ کیونکہ برٹش انڈین آرمی برٹش آرمی کا ایک بہت بڑا حصہ تھی اور برٹش انڈین آرمی بھی اتحادی طاقتوں کے ساتھ جنگ میں مصروف تھی۔ 3 ستمبر کو وائسرائے لارڈ لنلتھگو نے اعلان کیا کہ انڈیا بھی جرمنی کے خلاف جنگ میں شامل ہے۔[9] اس اعلان پر متعدد بھارتی سیاسی جماعتوں نے اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ بھارت کو اس مجالس مقننہ یا اسکے رہنماؤں کی مرضی یا منظوری کے بغیر ایک ایسی جنگ میں شرکت کا پابند کیا جاسکتا ہے جس سے اس کا بلاواسطہ کوئی تعلق نہیں ہے۔ کانگریس نے 14 ستمبر 1939ء کو اپنی مجلس عاملہ کے ذریعے وائسرائے ہند کے بھارت کو جنگ میں شامل کرنے کے اعلان پر ایک طویل قرارداد منظور کی۔ جس میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ بھارت کے لیے امن یا جنگ کا مسئلہ بھارت کے لوگوں کو ہی طے کرنا ہے کوئی بیرونی حکومت اس طرح کا فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں رکھتی اور نہ ہی بھارتی عوام کسی طور اس کی اجازت دے سکتی ہے کہ شہنشاہیت یا انگریزی حکومت کے مقاصد کے لیے ان کے وسائل کا استعمال کیا جائے کانگریس کا موقف بالکل واضح تھا کہ اگر برطانیہ جمہوریت کے لیے لڑ رہی ہے تو اسے چاہیئے کہ پہلے بھارت میں جمہوریت پر عمل کرلے۔ اس قرارداد میں برطانوی حکومت کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ اس بات کا

اعلان کرے کہ جمہوریت اور شہنشاہیت اور نئے نظام کے متعلق جو پیش نظر ہے اس کے جنگی مقاصد کیا ہیں اور بالخصوص یہ کہ ان مقاصد کا اطلاق بھارت پر کس طرح ہو گا اور انہیں فی الحال کس طرح عمل میں لایا جائے گا۔ کانگریس نے جنگ میں برطانوی حکومتی اہداف سے متعلق بھی استفسار کیا۔ کانگریس یہ بھی جاننا چاہتی تھی کہ بھارت کے لیے آئینی میدان میں کیا مستقبل ہے اور بھارت کی یہ خواہش کہ جنگ کے اہتمام میں اسے حکومت میں قریبی اور موثر شرکت کس طرح حاصل ہو۔ ان تمام معاملات کے بارے میں کانگریس کا موقف یہ تھا کہ اگر انہیں برطانوی حکومت کی اطمینان بخش جواب نہ دیا گیا تو ایسی صورت میں کانگریس صوبائی حکومتوں سے الگ ہو کر جنگ کے خلاف عدم تعاون کی مہم شروع کر دے گی۔[10] 14 ستمبر کی قرارداد میں کیے گئے کانگریس کے مطالبے پر برطانوی رائے عامہ نے واضح الفاظ میں تنقید کی۔ اس ضمن میں ''ٹائمز'' نے گاندھی پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا کہ برطانوی حکومت ان مطالبات کو ماننے کے حوالے سے خود کو پابند نہیں کر سکتی کیونکہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ کانگریس کو تمام بھارتی رائے عامہ کی نمائندگی کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ برطانوی پریس زور و شور سے یہ پروپیگنڈہ کر رہی تھی کہ یہ وقت سیاست بازی کا نہیں ہے اور کانگریس جو کچھ کر رہی ہے اس کے مقاصد درپردہ ہیں۔ برطانوی پریس یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ کانگریس اس شدید جنگی بحران میں سیاسی سودے بازی کی کوشش کر رہی تھی۔ کانگریس کی قرارداد کے جواب میں مسلم لیگ نے اپنا منصوبہ 18 ستمبر کو ظاہر کیا۔ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے ایک قرارداد واضح الفاظ میں منظور کی جس میں وائسرائے کے اس اعلان کا خیر مقدم کیا کہ 1935ء کے آئین میں جو وفاقی منصوبہ شامل تھا اسے معطل کر دیا گیا تھا۔ مسلم لیگ نے برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ اس تجربے کی روشنی میں جو بھارت کے موجودہ صوبائی آئین پر عمل درآمد سے یا 1935ء کے بعد کے واقعات سے حاصل ہوا ہے۔ یا آج کے بعد پیش آنے والے واقعات سے حاصل ہو۔ بھارت کے آئندہ دستور کے پورے مسئلے پر از سر نو غور و خوض اور نظر ثانی کرے۔ مسلم لیگ کا موقف تھا کہ اگرچہ وہ آزاد بھارت کے حق میں ہیں۔ تاہم وہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں پر ہندو اکثریت کے تسلط اور مسلم بھارت کو مطیع بنائے جانے کی بھی اتنے ہی مخالف ہیں۔ مسلم لیگ نے جنگ میں مکمل تعاون کے عوض برطانوی حکومت سے بھارت کی آئینی ترقی کے معاملے پر مسلم لیگ کے کردار، مرضی اور منظوری کو تسلیم کیے جانے کا مطالبہ کیا اور اس بات پر بھی زور دیا کہ برطانوی حکومت مسلم لیگ کو بھارت کے مسلمانوں کی جانب سے بات چیت کرنے والی واحد جماعت تسلیم کرلے۔[11] وائسرائے نے 18 اکتوبر 1939ء کو کانگریس اور مسلم لیگ کے مطالبات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ برطانوی حکومت نے جنگ کے اہتمام میں اپنے تفصیلی ہدفوں کو ابھی تک خود بھی کسی قطعی صحت کے ساتھ متعین نہیں کیا ہے مگر اس کے ارادے سب کو معلوم ہیں کہ ہم جارحیت کی مزاحمت کے لیے لڑ رہے ہیں خواہ ہمارے خلاف ہو یا دوسروں کے خلاف وائسرائے نے مزید کہا کہ ہم اپنے کسی بھی مادی فائدے کے خواہاں نہیں ہمارا مقصد صرف فتح نہیں بلکہ ہم اس سے اور آگے یہ توقع کرتے ہیں کہ ایک ایسے بہتر بین الاقوامی نظام کی بنیاد رکھیں گے جس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہر نئی آنے والی نسل کا ناگزیر مقدر جنگ ہی نہ ہو۔ ہم حقیقی اور پائیدار امن کی تمنا کرتے ہیں

۔ وائسرائے نے کانگریس کو مزید جواب دیتے ہوئے کہا کہ۔ جنگ کے اختتام پر برطانوی حکومت بھارت کی مختلف جماعتوں اور مفادات سے اور والیاں ریاست سے اصلاحات کے حوالے سے مشورے کرے گی کہ تاکہ ان کی تشکیل میں ان سب کی مدد اور ان کا تعاون حاصل ہو سکے اس کے علاوہ ایک مشاورتی گروہ قائم کیا جائے گا جو برطانوی بھارت کی تمام بڑی سیاسی جماعتوں اور والیان ریاست کے نمائندوں پر مشتمل اور وہ خود اس کے صدر ہونگے اور جنگ کو چلانے اور جنگی سرگرمیوں کے متعلق مسائل سے بھارت میں مفاد عامہ کی وابستگی اس کا مقصد ہو گا اس گروہ کے ارکان کو ان فہرستوں میں سے منتخب کیا جائے گا جو مختلف بڑی سیاسی جماعتیں مہیا کریں گی۔ 3 نومبر کو راجندر پرشاد نے وائسرائے کو خط لکھتے ہوئے کہا کہ مقاصد جنگ کی وضاحت کے لیے کانگریس نے جو اخلاقی سوال اٹھایا ہے وہ اسے ٹال رہے ہیں۔ اس بنا پر کانگریس کے لیے یہ ممکن نہیں کہ ہے کہ وہ ضمنی تجویز پر غور کرے۔ انہوں نے مزید کہا کہ جنگ کے شروع ہونے سے جو بحران پیدا ہوا ہے وہ کلیتہً سیاسی ہے اور اس کا بھارت کے ملت وارانہ مسئلے سے کوئی تعلق نہیں۔ 12 کانگریس کے راجندر پرشاد کے بعد 11 نومبر کو محمد علی جناح نے بھی وائسرائے کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے کہا کہ وہ ہندو رہنماؤں سے مشورہ کر چکے ہیں مگر وہ صوبائی اور مرکزی حکومتوں کی از سر نو ترکیب کے مسئلے پر اس وقت تک گفتگو کرنے کے لیے تیار نہیں جب تک کہ برطانوی حکومت مکمل آزادی کا اعلان کرنے کے متعلق کانگریس کے مطالبے کو تسلیم نہیں کرتی۔ 13

اگست 1940 کی برطانوی پیشکش: برطانوی حکومت کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان کسی سمجھوتے کے نہ ہونے سے دل برداشتہ نہیں تھی۔ 8 اگست 1940ء کو برطانیہ کی حکومت نے جو تجاویز پیش کیں تھی ہیں انہیں اگست کی پیشکش کہا جاتا ہے۔ جس قرطاس ابیض میں یہ پیشکش درج تھی اس کے آغاز ہی میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ اختلافات کی بنا پر وائسرائے کونسل میں توسیع یا ایسی کسی مجلس کے قیام کو ملتوی نہیں کرنا چاہیے جو بھارتی رائے عامہ اور جنگ کے درمیان زیادہ قریبی تعلق پیدا کر دے۔ ہر قسم کے شبہات کو دور کرنے کے لیے حکومت کی جانب سے دو نکات کی وضاحت کر دی گئی تھی پہلا نکتہ یہ تھا کہ دستور پر نظر ثانی کے سلسلے میں اقلیتوں کے نظریات کو پوری اہمیت دی جائے گی اور برطانوی حکومت بھارت کے امن اور اس کی فلاح کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو کسی ایسے نظام حکومت کی طرف منتقل کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی جس کے اقتدار کو بھارت کی قومی زندگی کے بڑے اور طاقتور عناصر تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوں دوسرے نکتہ کے مطابق مجلس دستور ساز کے خیال سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے یہ وعدہ کیا گیا کہ برطانوی حکومت نئے دستور کا خاکہ واضع کرنے کی غرض سے بھارت کی قومی زندگی کے خاص عناصر کی الگ نمائندہ مجلس قائم کرنے پر راضی ہو جائے گی مگر اس وعدے سے دو شرطیں وابستہ تھیں پہلی شرط یہ تھی کہ اس مجلس کا قیام جنگ کے اختتام کے بعد عمل میں آئے گا اور دوسری شرط یہ تھی کہ یہ وعدہ ان فراءض کی مناسب تکمیل کے ساتھ مشروط ہو گا جنھیں بھارت کے برطانیہ عظمیٰ کے طویل تعلق نے اس پر عائد کیا ہے اور جن کی ذمہ داری سے برطانوی حکومت خود کو الگ نہیں کر سکتی۔ 14 اس طرح مجلس کے وجود میں آنے سے پہلے یہ امید کی جاتی ہے کہ جنگ کے دوران

بھارت کی تمام جماعتیں اور ملتیں جنگ کی جدوجہد میں تعاون کرے گی اور اس طرح مل کر کام کرنے سے برطانوی دولت مشترکہ کے اندر بھارت کی آزاد اور مساوی شرکت کے حصول کا راستہ ہموار ہو گا۔ اس برطانوی پیش کش میں بہت سے نئے خیالات و نکات شامل تھے اس پیشکش میں پہلی بار برطانیہ نے بھارتیوں پر مشتمل ایک مجلس دستور ساز کا وعدہ کیا تھا جبکہ اس سے پہلے ہمیشہ برطانوی پارلیمنٹ کی برتری کی بات کی جاسکتی تھی اور آئین حکومت ہند مجریہ 1935ء نے اس برتری کی صرف توثیق ہی کی تھی اب بھارتی مجلس دستور ساز کے تصور کی نہ صرف تائید کی گئی تھی بلکہ یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ جنگ کے خاتمے کے فوراً بعد اس قسم کی ایک اور مجلس قائم کی جائے گی اور اس کے ساتھ ساتھ مجلس دستور ساز کے کانگریسی تصور کو واضح طور پر رد کیا گیا تھا۔ حکومت برطانیہ نے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ اقلیتوں اور والیان ریاست کے حقوق کا خیال رکھے لے گیں برطانوی حکومت نے مسلمانوں اور اقلیتوں کے اس خوف کو بھی ختم کر دیا کہ وہ کانگریس کے مطالبات کو مانتے ہوئے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دے گی۔15 مسلم لیگ نے اس بات پر بھی زور دیا کہ قرار داد لاہور کے مطابق بھارت کے مسلمان خود کو ایک علیحدہ قوم سمجھتے ہیں لہٰذا وہ اپنے آنے والے فیصلے خود کریں گے۔ اس طرح اگست کی پیش کش سے کوئی عملی یا فوری نتیجہ بر آمد نہیں ہوا مگر اپنے آخری نتاءج کے اعتبار سے وہ مسلمانوں کے لیے فائدے کی حامل تھی۔ برطانوی حکومت یہ اہم وعدہ کرنے پر خوشی سے رضامند ہو گئی کہ مستقبل کے دستوری انتظامات میں، خواہ وہ عبوری ہوں یا قطعی، مسلمانوں کا اطمینان حاصل کیا جائے گا۔ مسلم لیگ کا یہ کوئی حقیر کارنامہ نہیں تھا کہ اس نے جنگ شروع ہونے کے بعد ایک سال سے کم مدت میں اور قرار داد لاہور کی منظوری سے پانچ ماہ کے اندر حکومت کی طرف سے یہ غیر مشروط اعلان حاصل کر لیا۔ مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ کانگریس نے مسلمانوں کی اس کامیابی میں ایک اہم کردار کیا۔ سیاسی سودا بازی میں اپنے طرز عمل سے اور مسلمانوں کے متعلق اپنے رویے سے اس نے حکومت کو یہ یقین دلانے میں مدد کی تھی کہ اقلیتوں کی قسمت کو کانگریسی رہنماؤں کے ہاتھ میں چھوڑ دینا مناسب نہیں ہو گا۔16

کانگریس کی تحریک سول نافرمانی اور مسلمان: 1940ء کے موسم خزاں تک گاندھی کانگریس کو ایک ایسے نقطے پر لے آئے جہاں اسے ایک قطعی موقف اختیار کرنا پڑا۔ اس لاءحہ عمل کے مطابق انفرادی ستیہ گرہ شروع کی جائے گی۔ جس میں مخصوص افراد گاندھی جی کی ایما پر سول نافرمانی کرکے گرفتار ہو جائے گے۔ اس مہم کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ مہم ایک عوامی تحریک بن کر لوگوں میں مقبول ہو جائے گی۔ اس کے نتیجے میں قومی بغاوت رونما ہو سکے گی۔ مگر یہ ستیہ گرہ ناکام رہی۔ عوام کی اس سرد مہری کو دیکھ کر گاندھی نے اپریل 1941ء میں ستیہ گرہ تمام کانگریسوں کے لیے عام کر دی۔ سال کے وسط تک یہ تحریک اپنی چوٹی پر پہنچ گئی۔ بیس ہزار لوگوں کو اس ستیہ گرہ کی وجہ سے سزا ہوئی تقریباً14 ہزار لوگ جیلوں کے اندر بند تھے۔ مگر کسی معیار کے مطابق یہ کوئی نمایاں کارنامہ نہیں تھا۔ کانگریس کی کل رکنیت کے تناسب سے یہ ایک غیر اہم تعداد تھی۔ بہت سے کانگریسوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ تحریک آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہے۔ جنگ کے دوران مسلم لیگ کی حکمت عملی کانگریس کی حکمت عملی سے مختلف تھی کانگریس ناقابل مصالحت طریقے سے جنگ کے خلاف

تھی اور ہر قسم کے تعاون کی پیش کش سے اس وقت تک کے لیے انکار کر چکی تھی جب تک مکمل آزادی کو منظور نہ کر لیا جائے۔ لیگ اپنی قوت کو مستحکم کرنے اور پاکستان کے خیال کو مقبول عام بنانے کے لیے وقت چاہتی تھی اسے آزادی کی جلدی نہیں تھی مسلم نقطہ نگاہ سے یہ ایک اچھی اور کلیدی چال تھی کہ برطانوی حکومت سے مکمل قطع تعلق نہ ہو۔ حکمرانوں کی مخالفت میں اکثریت کی نسبت اقلیت عام طور پر کم انتہا پسند ہوتی ہے۔ بالخصوص اس وقت جب اکثریت اقلیت پر حکمرانی کرنے کے متعلق اپنے ارادوں کو راز میں نہ رکھتی ہو۔ مسلم لیگ سمجھتی تھی کہ کتنی ہی تحریکیں چلائی جائیں وہ برطانوی حکومت کو اس پر آمادہ نہیں کر سکتیں کہ وہ موت اور زندگی کی کشمکش کے درمیان بھارت کو مکمل آزادی دے دے۔[17] مسلم لیگ کے مطابق اس تحریک کا مقصد برطانوی حکومت کو مجبور کرنا ہے کہ وہ کانگریس کو بھارت کی واحد اور نمائندہ جماعت تسلیم کر لے اور کانگریس ایک ایسی طاقت چاہتی ہے کہ دوسری ملتوں کو دبا کر مکمل اختیار اپنے پاس رکھ لے۔[18] کانگریس کی سول مزاحمت کا مقصد یہ ہے کہ برطانوی حکومت کو مجبور کر کے اقتدار اعلیٰ ہندوؤں کی طرف منتقل کر ایا جائے اور اس طرح دس کروڑ افراد پر مشتمل مسلم قوم اور اقلیتوں کو پورے ملک کے اندر محض ہندو راج کی رعایا کے ادنی درجے پر پہنچا دیا جائے۔[19]

لبرل پارٹی کی تجاویز: مجلس قانون ساز میں لبرلوں کی ایک چھوٹی سی اقلیت تھی سر تیج بہادر سپرو۔ سر چمن لال۔ ایچ۔ ستیلواد اور سر سرینو اس شاستری بڑے تجربہ کار اور قابلیت کے حامل آدمی تھے ان کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ روزانہ کی فرقہ وارانہ سیاست سے بالاتر ہیں اور اس لیے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ ان کے غور و خوض سے اس بند گلی میں سے کوئی راستہ باہر کی طرف ضرور ملے گا۔ دسمبر 1940ء میں لبرلوں کا سالانہ اجلاس کلکتہ میں منعقد ہو اس اجلاس میں لبرلوں نے اپنی حکمت عملی واضح کرتے ہوئے کچھ اصول بیان کیں۔ ان تجاویز کا خلاصہ کچھ یوں کہ جنگ کی جدوجہد میں مل کر مدد کرنی چاہیے۔ برطانیہ کو یہ اعلان کر دینا چاہیے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد دو سال کے اندر بھارت کو ایک نو آبادی کا درجہ حاصل ہو جائے گا۔ مرکزی حکومت کی از سر نو تشکیل ہونی چاہیے تا کہ وائسرائے ایک مکمل قومی حکومت کا سربراہ ہو جائے اور تقسیم کو ناجائز قرار دینا چاہیے فرقہ وارانہ انتخاب کو ختم کر دینا چاہیے۔ آخر میں لبرلوں کا یہ کہنا تھا کہ کانگریس کی تحریک سول نافرمانی انتہائی افسوس ناک ہے۔ مارچ 1941 کو لبرلوں نے بمبئی میں ایک غیر جماعتی کانفرنس منعقد کی اس کانفرنس کی رائے تھی کہ پوری ایگزیکٹو کونسل غیر سرکاری ہندوستانیوں پر مشتمل ہونی چاہیے۔ تمام معاملات میں بھارت کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو دیگر نو آبادتی حکومتوں کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ برطانوی حکومت کو یہ اعلان کرنا چاہیے کہ جنگ کے خاتمے کے بعد ایک مخصوص معینہ مدت کے اندر بھارت اسی حد تک آزادی سے بہرہ ور ہو جائے گا جو برطانیہ اور نو آبادیات کو حاصل ہے۔[20] اس کانفرنس میں ہندو مہاسبھا، کانگریس نیشلسٹ پارٹی۔ ہندو لیگ لبرل فیڈریشن، سکھ، ہندوستانی عیسائی۔ پارسی اور اچھوت شامل تھے۔ کانگریس اور مسلم لیگ کی غیر موجودگی نے اس کانفرنس کی کاروائی میں ایک غیر حقیقی انداز پیدا کر دیا تھا۔ یعنی حقیقی سیاسی ہندوستان کی بلکل نمائندگی نہیں کی گئی تھی۔ اس کانفرنس کو ایسی غیر جانب دار جماعت نہیں کہا جاسکتا تھا جس کا مقصد کوئی حل پیش کرنا ہو بلکہ وہ ایک یک طرفہ

سمجھوتا شائع کرنے کی جانب دارانہ کوشش تھی۔ کانفرنس نے ایک ایسی قومی حکومت کا مطالبہ کیا جس کا وائسرائے محض دستوری سربراہ ہو۔ 22 اپریل 1941ء لبرلوں کی تجاویز پر برطانیہ کے وزیر ہند۔ ایل۔ ایس۔ المری نے اپنی تقریر کے آغاز میں سر تیج بہادر سپرد کی تجاویز کے بارے میں کہا کہ سپرو منصوبہ مروجہ طرز حکومت میں کسی ترمیم کے مترادف نہیں ہے بلکہ اس کو نئی قسم کی حکومت سے بدل دینے کے ہم معنی ہے۔ جو ایک شدید جنگ کے دوران مناسب نہیں اس سے صوبوں اور والیان ریاست دونوں کے اندرونی دستوری مسائل کے لیے کافی مشکل پیدا ہو جائیں گی۔ ان کا کہنا تھا کہ بھارت میں دستوری جمود اس بنا پر نہیں کہ برطانیہ اسے آزادی دینا نہیں چاہتا بلکہ اس وجہ سے کہ بھارت اپنے مطالبے میں متحد نہیں ہے۔ ان کا سپرو جیسے لوگوں کے لیے مشورہ تھا کہ وہ اپنی توجہ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان سمجھوتا کرانے پر مرکوز کریں۔ 21؎

کرپس مشن: دوسری عالمی جنگ (1938-45) کے ابتدائی سالوں میں برطانیہ کی حالت بہت کمزور ہو گئی تھی۔ بھارت کی جانب جاپان کی یلغار نے اس کی حالت کو مزید کمزور تر بنا دیا تھا۔ 22؎ کیونکہ امریکہ چاہتا تھا کہ برطانیہ اقتدار کو بھارت کے مقامی رہنماؤں کے حوالے کر دے اس سلسلے میں وزیراعظم ونسٹن چرچل نے برطانوی کابینہ کے رکن سر سیٹفورڈ کرپس کو مارچ 1942 میں بھارت بھیجا۔ تاکہ وہ برطانوی عملداری کے اندر بھارتیوں کو اقتدار کی منتقلی کے امکانات کا جائزہ لے سکے۔ کرپس مشن نے ایک الگ مسلم ریاست کے قیام کا موہوم اشارہ ضرور دیا تھا لیکن اس سلسلے میں کوئی ضمانت نہیں دی تھی۔ مسلم لیگ اور کانگریس دونوں کرپس مشن کی سفارشات کو مسترد کر دیا تھا کیونکہ اس سے ان دونوں کی بنیادی مطالبات کی تشفی نہیں ہو رہی تھی۔ کانگریس یہ چاہتی تھی کہ بھارت متحدہ رہے۔ صرف برطانیہ نکل جائے جبکہ مسلم لیگ ایک الگ ریاست کا قیام چاہتی تھی۔ 23؎

ہندوستان چھوڑ دو تحریک: کرپس مشن کی ناکامی کے بعد بھارت کے حالات زیادہ خراب ہو گئے تھے کانگریس نے جنگ کی صورت حال سے فائدہ اٹھانے کے لیے انگریزوں کے خلاف اعلانیہ بغاوت کر دی اور "ہندوستان چھوڑ دو"، تحریک چلائی گئی۔ 7 اگست 1942 کے اجلاس میں کانگریس نے اس تحریک کو منظور کیا تھا اور موہن داس کرم چند گاندھی کو پوری مہم کا رہنما مقرر کیا گیا تھا۔ 24؎ گاندھی کا خیال تھا کہ جنگ میں پھنسا ہوا برطانیہ اس وقت بہت کمزور ہو چکا ہے لہٰذا اس تحریک کے ذریعے انگریزوں کو بھارت چھوڑنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ موہن داس کرم داس گاندھی کی خام خیالی ہی ثابت ہوئی، چونکہ کانگریس کو پورے ملک میں اکثریت حاصل نہیں تھی اور دوسرے یہ کہ پنجاب اور اس جیسے دیگر اہم صوبوں جہاں سے انگریزوں کو فوج کی بھرتیاں ملتی تھی کے علاقائی لیڈر جنگ کی حمایت کر رہے تھے اور قومی سطح پر مسلم لیگ بھی برطانیہ کی حمایت کر رہی تھی۔ لارڈ لنلتھگو نے اپنی پوری طاقت کو استعمال کرتے ہوئے کریک ڈاؤن شروع کر دیا تھا۔ محمد علی جناح نے مسلمانوں کو اس تحریک سے لاتعلق رہنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ کانگریس انگریز کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر بھارت میں اقتدار کامل حاصل کرنا چاہتی ہے۔ 25؎ محمد علی جناح نے ہندوستان چھوڑ دو کے مقابلے میں "پہلے تقسیم کرو، اور پھر چھوڑ دو" کا سلوگن دیا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان صرف برطانیہ ہی سے آزادی نہیں چاہتے بلکہ ہندوؤں سے بھی علیحدگی چاہتے تھے۔ اس طرح محمد علی جناح نے بھارت کی تقسیم اور علیحدہ مملکت کے مطالبے کو دہرایا۔ برطانوی حکومت نے پوری سختی کے ساتھ تین چار ہفتوں کے اندر اس تحریک کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ کانگریس کے اہم لیڈر ابھی پونا میں آغاخان پیلس میں نظر بند ہی تھے کہ لارڈ لنلتھ گو کی جگہ 20 اکتوبر 1942 کو لارڈ ویول نے وائسرے کا عہدہ سنبھال لیا۔ گاندھی نے اسے بھی کانگریس کی اصول پرستی اور بے گناہی کا یقین دلانے کی کوشش کی لیکن ویول نے اس عذر کو سننے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ پہلے اپنی غلطی کا اعتراف کرو۔ آئندہ کے لیے اچھے چال چلن کا وعدہ کرو اور پھر ہمارے ساتھ گفت وشنید کا آغاز کرو۔26ے

گاندھی۔ جناح گفتگو: اپریل 1943 میں مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے میں محمد علی جناح نے گاندھی کے حوالے سے کہا کہ۔ کہ اگر مسٹر گاندھی مسلم لیگ سے پاکستان کی بنیاد پر سمجھوتہ کرنے کے لیے رضامند تو وہ اس کا خیر مقدم کریں گے۔27ے کانگریس نے بھارت کی آزادی اور اتحاد کا مطالبہ کیا تھا اس کا دعویٰ تھا کہ وہ اپنی تنظیم کے اعتبار سے سارے بھارت کی نمائندگی کرتی ہے اور اس کی رکنیت کا دروازہ تمام بھارتیوں کے لیے بلا تفریق و امتیاز مذہب ملت اور ذات پات کے کھلا ہوا تھا۔ اس کے پروگرام اس کے تصورات اور اس کی تمنائیں سارے بھارتیوں کے مفاد کا مجموعہ تھیں۔ اگر اس کے اراکین میں ہندوؤں کی تعداد زیادہ تھی تو اس کی یہ وجہ تھی کہ ان کی ملک کی آبادی میں اکثریت تھی۔ یہ غیر ہندوؤں سے تعداد میں تین گیا زیادہ تھے اور تعلیم کے اعتبار سے بھی ان سے آگے تھے اور سیاسی شعور بھی مسلمانوں سے زیادہ تھا۔ کانگریس بھارت کے سارے لوگوں کے لیے آزادی کی طلب گار تھی۔ مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان بہت سے معاملے میں اختلاف تھا جس کی وجہ سے مسائل کم ہونے کے بجائے بڑھتے جارہے تھے۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لیے مسٹر گاندھی اور مسٹر جناح کے درمیان ملاقات کے سلسلہ شروع ہوا۔ گاندھی نے اس تقریر کو اخباروں میں پڑھا اور پھر گاندھی نے محمد علی جناح کو گجراتی زبان میں خط لکھا کیونکہ گجراتی دونوں رہنماوں کی مادری زبان تھی۔ ” میں آپ کے دعوت نامے کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ میں تحریر کرتا ہوں کہ ملاقات بجائے خط وکتابت کے بالمشافہ ہو۔ میں پوری طرح سے آپ کے ساتھ ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ یہ خط آپ کو مل جائے گا اور اگر آپ میری تجویز سے متفق ہوں تو گورنمنٹ آپ کو مجھ سے ملنے کی اجازت دے تو میں اور آپ دونوں فرقہ وارانہ اتحاد اور دوسرے اہم مسئلوں پر ان اشخاص کی طرح نظر ڈالیں جو کوشش کر رہے ہیں کہ انہیں ایک مشترک حل تلاش کرنا ہے، ایسا حل جو قابل قبول ہو“۔28ے محمد علی جناح نے مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کی اجازت سے گاندھی کو جواباً لکھا کہ وہ ان کی رہائش گاہ مالا بار ہل بمبئی میں ان سے مل سکتے ہیں چنانچہ 9 ستمبر 1944 کو دونوں رہنماؤں کے درمیان گفتگو کا آغاز جو 27 ستمبر تک جاری رہی۔ اس گفتگو کی بنیاد راج گوپال اچاریہ کا فارمولا اور قرارداد لاہور تھی۔ محمد علی جناح اس بات پر مصر تھے کہ گاندھی مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت اور نظریہ پاکستان کو تسلیم کرلیں اور پھر اس کی جغرافیائی حدود اور باقی تفصیلات پر گفتگو ہو جبکہ گاندھی کا اصرار تھا کہ

ریفرنڈم کے اصول اور حدود اربعہ کی نشان دہی پہلے کر لی جائے اور واقعی تقسیم کی ضرورت پڑے تو برطانیہ سے آزادی حاصل کرنے کے بعد ہو۔[29] دونوں رہنماؤں کی گفتگو ایسے متوازن خطوط اور مخالفت سمت کی طرح آگے بڑھی جو ایک دوسرے سے قطعی طور پر نہیں مل سکتے تھے۔ کیونکہ دونوں رہنماؤں کا سیاسی مینڈیٹ اور ان کے سیاسی مقاصد مختلف تھے۔ محمد علی جناح اور گاندھی کے درمیان دو قومی نظریہ دیوار بن کر حائل ہو گیا تھا۔[30] محمد علی جناح چاہتے تھے کہ دونوں مملکتوں کا قیام بھارت کی آزادی کے بعد نہ ہو بلکہ انگریزوں کی موجودگی میں برصغیر کو تقسیم کر دیا جائے۔ وہ خدشہ محسوس کرتے تھے کہ آزادی کے بعد مرکز میں ہندو اکثریت کی حکومت ہو گی جس کے پاس دفاع، مالیات، محصولات، تجارت اور دیگر اہم محکمے ہوں گے وہی حکومت حد بندی کرے گی اور استصواب رائے کرائے گی۔ جس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ اپنی من مانی کر سکے گی۔ ممکن ہے کہ وہ مسلمانوں کو حق اور اختیارات دینے سے انکار کر دے یا انھیں صرف برائے نام اختیارات دینے پر آمادہ ہو۔ اس لیے وہ انتقال اقتدار کا اختیار کانگریس کے ہاتھ میں دے کر اپنی بے بسی کا سامان فراہم کرنا نہیں چاہتے تھے۔[31] اسی طرح گاندھی کا یہ اسرار بھی مناسب نہ تھا کہ استصواب رائے اور تقسیم کی اسکیم پر عمل درآمد اس وقت ہو گا جب انگریز عنان اختیار بھارتیوں کے حوالے کر دیں گے۔ محمد علی جناح اس شرط کو اپنے لیے مخدوش سمجھتے تھے کہ مسلمان علیحدگی کا مطالبہ ہی اس لیے کر رہے تھے کہ انھیں ہندو اکثریت کی حکومت پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ ان حالات میں محمد علی جناح سے یہ توقع رکھنا کہ مسلمانوں کا حق خود ارادی کا مسئلہ ہندو اکثریت کے سپرد کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے یہ گاندھی کی خوش فہمی تھی۔[32] اگر غیر جانبدار طریقے سے تبصرہ کیا جائے تو سمجھ آتا ہے کہ مسلم لیگ کے مطالبہ، راجاجی فارمولا اور گاندھی کے موقف کا جائزہ لیا جائے تو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ گاندھی فی الواقع قرارداد لاہور کی روح نکال دینا چاہتے تھے اور مسلمانوں کو برائے نام سا حق خود ارادیت دے کر برطانوی مدبرین اور عالمی سیاسی حلقوں کی یہ یقین دلانا چاہتے تھے کہ مسلم لیگ بھارت کی آزادی میں روڑے اٹکانا چاہتی ہے وہ رجعت پسند ہے اور محمد علی جناح اور مسلم لیگ زعما غیر ملکی حکمرانوں کا آلہ کار بنے ہوئے ہیں ورنہ جہاں تک مسلمانوں کو ان کا حق خود ارادیت دینے یا ان کے شہادت کے ازالہ کا تعلق ہے اس سلسلے میں گاندھی نہ تو مسلمانوں کو ایک الگ قوم سمجھنے پر تیار تھے اور نہ اس بنا پر انھیں خود مختاری حاصل کرنے کا حق دار سمجھتے تھے۔

شملہ کانفرنس 1945: جناح۔ گاندھی گفتگو کی ناکامی پر بھارت میں جو تاثر لیا گیا وہ بحیثیت مجموعی فلسفیانہ تھا۔ ان گفتگوؤں کے منقطع ہو جانے پر بہت سی جماعتوں نے اپنی خوشی کا اظہار بھی کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کانگریس اور لیگ کی آراء کے درمیان وسیع خلیج حائل ہونے کے باعث اس ناکامی کو ناگزیر سمجھا گیا۔4 جون 1945 کو بھارت کے گورنر جنرل اور بھارت کا وزیر اعظم بنائے جانے کی پیشکش کی گئی تھی۔ محمد علی جناح نے اس کا دو ٹوک جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ میں مطالبہ پاکستان کے تسلیم کیے جانے سے کسی کم قیمت کو قبول کر لوں یہ بالکل ناممکن ہے۔[35] شملہ کانفرنس کا ایک مثبت نتیجہ یہ نکلا کہ ملک میں عام انتخابات کرانے کا فیصلہ ہوا تا کہ مختلف سیاسی جماعتوں کی نمائندہ حیثیت سامنے آ سکے۔

تقسیم ہند پر برطانوی فوج کا نقطہ نظر : مئی 1946 میں برطانیہ کی اسٹیبلیشمنٹ نے یہ موقف اختیار کیا کہ برطانیہ بھارت پر اپنے کنٹرول کو برقرار رکھنا چاہتا ہے اور اس سلسلے میں بھارت کو متحد ہی رکھنا چاہتے ہیں، چاہے کافی حد تک خود مختار حکومت کیوں نہ قائم ہو جائے۔ اس بات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا تھا کہ آنے والے برسوں تک برطانیہ دفاع اور سیکورٹی کے موضوعات پر بھارتی قیادت کے ساتھ ذمہ داریوں کی شراکت جاری رکھے گا۔ اس کی بنیادی وجہ طاقتور اور غیر منقسم بھارتی فوج برقرار رکھنا تھا، اس طرح 11 مئی 1946 کو فیلڈ مارشل سر کلاوَڈ آکن لیک نے "پاکستان کی دولت مشترکہ میں شمولیت کے اسٹرٹیجک مضمرات" کے عنوان سے ایک ٹاپ سیکرٹ نوٹ تیار کیا۔ بھارت کی تقسیم اور پاکستان کے قیام۔۔۔۔ چاہے شمال مغرب میں ایک یونٹ یا شمال مشرق میں دوسرے زون پر مشتمل حصہ کے نتائج اور عواقب کے طویل اور تفصیلی سٹڈی میں فوج کے سربراہ آکن لیک نے نتیجہ اخذ کیا کہ یہ بات برطانیہ کے مفاد میں کسی بھی طرح نہیں ہو گی کہ بحر ہند میں فوجی اور معاشی لحاظ سے ایک کمزور ریاست (پاکستان) ہو۔ جبکہ ایک طاقتور ملک بھارت برطانیہ کی گرفت سے نکل کر سوویت یونین کی گود میں جاسکتا ہے۔ فیلڈ مارشل آکن لیک کا موقف تھا کہ اگر بحر ہند کے علاقے میں سمندری اور فضائی طور پر اپنی طاقت کی آزادانہ نقل و حرکت چاہتے ہیں تو یہ صرف بھارت کو متحد رکھ کر ہی کیا جاسکتا ہے۔ یہ متحد ملک دولت مشترکہ کا ایک ایسا فعال رکن ہو گا جو اپنے دفاع کو اپنے وسائل تک محدود رکھے گا۔36 برطانوی فوج کے رویے میں تقسیم ہند اور پاکستان کے قیام کے مسئلے پر ڈرامائی تبدیلی دیکھنے میں آئی سینئر فوجی اور سول افسروں۔ رائل ایئر فورس مارشل لارڈ ٹیڈر کی صدارت میں اجلاس میں ایڈمرل سر جان ایچ ڈی کننگم ، فیلڈ مارشل منٹگمری لیفٹیننٹ جنرل سر لیزلی سی ہولس، وزیر دفاع اے وی انگیر لینڈر، چیف آف وائسرائے سٹاف، لارڈ اسمے اور میجر جنرل لے کاک کی شرکت نے چیف آف سٹاف کمیٹی کی 12 مئی 1947 کی میٹنگ میں ایک مورنڈم تیار کیا جس میں اس بات کی حمایت کی گئی کہ پاکستان اگر بدستور دولت مشترکہ میں رہتا ہے تو برطانیہ کے لیے خوش آئند بات ہو گی کمیٹی نے تقسیم ہند کی حتمی تجاویز پر بھی بحث کی جو سیاسی تصفیے کی ممکنہ بنیاد سمجھی گئی تھی۔ اس میں اس بات کی توقع کی گئی کہ پاکستان سندھ بلوچستان این ڈبلیو ایف پی، مغربی پنجاب، آسام اور ممکنہ طور پر بنگال کے ایک حصے پر مشتمل ہو گا۔ یہ قرار دیا گیا کہ ایسا ممکن ہے کہ جناح دولت مشترکہ میں رہنے کے لیے مسلمانوں کے طرز عمل کا اعلان کریں کئی خود مختار ریاستوں کے سربراہ ایسا کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف بھارتی کانگریس کے عزائم کے مطابق خود مختار ملک ہونے کا اعلان کر سکتا ہے۔ اگرچہ اس بات کے اشارے بھی موجود تھے کہ کانگریس کے بعض لیڈروں کو اس بات پر شبہ ہے کہ برطانوی شہروں کے بغیر بھارتی حکومت کا انتظام والصرام چلایا جاسکتا ہے۔ منٹگمری نے دعوی کیا کہ یہ ہمارا اعظم ہو گا کہ اگر پاکستان بالخصوص اس کا شمال مغربی حصہ دولت مشترکہ میں رہے شمال مغربی بھارت کے فوجی اڈے، ایئر فیلڈز اور بندرگاہیں دولت مشترکہ کے دفاع کے لیے گرا ں قدر ثابت ہونگی۔ سیر حاصل غور کے بعد مسلح افواج کے سربراہوں نے اتفاق کیا کہ وہ اپنے خیالات برطانوی وزیر اعظم کے سامنے پیش کریں گے۔ انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اسٹرٹیجک نقطہ نظر سے اس بات کے زبردست دلائل موجود ہیں کہ مغربی پاکستان دولت

مشترکہ میں رہے۔ اس کی وجہ سے پاکستان کو اسٹریٹیجک سہولتیں میسر آئیں گی۔ اس طرح ہم افغانستان کی سالمیت کے تسلسل کو بھی برقرار رکھ سکیں گے اور پوری مسلم دنیا میں اپنی وقعت بڑھانے اور معیشت بنانے کے قابل ہو سکیں گے۔ اگر مغربی پاکستان دولت مشترکہ کا حصہ ہو گا۔ تو ہم بہت کچھ حاصل کر پائینگے اور اس سے انکار کی صورت میں ہم برطانیہ سے وفادار لوگوں کو دولت مشترکہ سے دور رکھیں گے اور پھر ہ میں بھارت میں کہیں بھی اسٹریٹیجک سہولتیں میسر آنے کے امکانات یقینا ختم ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلم دنیا میں ہماری ساکھ بھی خراب ہو جائے گی اور عسکری نقطہ نظر سے اس کا نتیجہ تباہ کن ہو گا۔37

عبوری حکومت اور فرقہ وارانہ فسادات: وائسرائے لارڈ ویول نے 22جولائی 1946 کو کانگریس کے صدر پنڈت جواہر لال نہرو اور مسلم لیگ کے صدر محمد علی جناح کو عبوری حکومت کی تشکیل کے متعلق تجاویز دی اور 14 ارکان پر مشتمل کابینہ بنانے کی دعوت دی۔ ان 14 اراکین میں سے 6 کانگریس 5 مسلم لیگ اور 3 وزراقلیتوں سے لینے تھے کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے اس فارمولے کو ماننے سے انکار کر دیا۔38 اس فارمولے کو مسترد کرنے کے بعد عبوری حکومت کی تشکیل کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا مگر مسلم لیگ کو اس وقت شدید دھچکا لگا جب وائسرئے ویول نے جواہر لال نہرو کو عبوری حکومت بنانے کی دعوت دی اور ساتھ ہی یہ بھی مشورہ دیا کہ وہ اس عبوری حکومت کو بنانے کے لیے محمد علی جناح سے ملاقات نہ کریں۔39 مگر اس کے برعکس نہرو نے اس مشورے پر عمل کیے بغیر 13 اگست کو جناح کو عبوری حکومت کے قیام میں تعاون کرنے کے لیے خط لکھا لیکن مسلم لیگ کی طرف سے راست اقدام کی کال کی نتیجہ کلکتہ میں غیر معمولی فرقہ وارانہ فسادات کی صورت میں نکلا۔ اگرچہ ابتدائی حملوں میں مسلمان ملوث تھے مگر کچھ دنوں بعد ہندوؤں نے خوفناک ردِ عمل کا مظاہرہ کیا جس کے نتیجے میں تقریباً چار ہزار افراد مارے گئے اور تقریباً ایک لاکھ افراد بے گھر ہوئے۔40 وائسرائے لارڈ ویول کلکتہ کے فسادات اور اس سے ہونے والی تباہ کاریوں کو دیکھنے کے لیے بنگال چلے گئے تھے اس دورے نے ان کو یقین دلایا کہ اگر جلد از جلد کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان کوئی سمجھوتہ نہ ہوا تو پورا بھارت خانہ جنگی میں مبتلا ہو جائے گا۔ بنگال سے واپس آنے کے بعد انھوں نے کانگریس پر اثر ڈالنے کی ایک اور کوشش کی اور نہرو اور گاندھی سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں انھوں نے بنگال اور مرکز میں مخلوط حکومتیں قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔41 جب 24 اگست کو عبوری حکومت نے اقتدار سنبھالا تو اس کے نائب سربراہ نہرو اور چیف ایگزیکٹیو وائسرائے لارڈ ویول تھے۔ عبوری حکومت نے ایک بار پھر کوشش کی کہ مسلم لیگ کو شامل کیا جائے مسلم لیگ نے حکومت میں شامل ہونے کے لیے یہ شرط رکھی کہ اسے بھارت کی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کے طور پر تسلیم کیا جائے۔ حکومت نے مسلم لیگ کی اس شرط کو مان کر 15 اکتوبر کو مسلم لیگ کو کابینہ میں شامل کر دیا۔ مگر عبوری حکومت میں شامل وزراء کے درمیان دشمنی بداعتمادی اور شکوک وشبہات بڑھ گئے کانگریس اور مسلم لیگ کے وزراء ایک دوسرے کے الٹ چلتے رہے۔ مرکز میں شراکت اقتدار کے کسی فارمولے کی عدم موجودگی میں بھارت کی تقسیم ناممکن نظر آرہی تھی۔ اس کے علاوہ کلکتہ میں فسادات مزید بڑھ گئے اور بھارت کے کئی علاقوں میں پرتشدد واقعات رونما

ہوئے۔ بمبئی میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان تصادم میں سینکڑوں انسان اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ مشرق بنگال کے علاقے نو اکھلی میں مسلمانوں نے ہندوؤں پر حملہ کر کے 400 افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا اس سلسلے میں ہندوؤں نے بھی جوابی کاروائی کی اور 25 اکتوبر سے نومبر کے پہلے ہفتے تک بہار میں مسلمانوں کے خلاف بربریت کا مظاہرہ کیا۔ بعض مہاجرین کا خیال تھا یہ وہی ہندو تھے جو کلکتہ میں ہونے والی فسادات سے بھاگ کر بہار میں آئے تھے اور انتقاماً مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیے۔ بہار کے گورنر سر ایچ ڈاؤ نے انکشاف کیا تھا کہ بہار میں کانگریس کی حکومت نے قتل وغارت روکنے میں زیادہ دلچسپی نہیں لی۔ بہار میں تقریباً 5 ہزار افراد کا قتل ہوا اور یہ سب کے سب مسلمان تھے۔ شمالی بھارت کے صوبہ متحدہ (یوپی) میں بھی کچھ تشدد کے واقعات ہوئے تھے۔ دسمبر 1946 میں شمال مغربی سرحدی صوبہ میں فسادات پھوٹ پڑے اور مسلمانوں نے ہندو اور سکھوں کو نشانہ بنایا۔42 عبوری حکومت کے قائم ہونے کے بعد جو فسادات اور خون ریزی ہوئی تھی اس سے نہ صرف مسلمانوں بلکہ ہندوؤں اور سکھوں کو بھی جانی اور مالی نقصان پہنچا تھا۔

ریڈ کلف ایوارڈ: پاکستان اور بھارت دونوں مملکتوں کی سرحد کے تعین کے لیے 3 جون 1947ء کے منصوبے کے مطابق دو حد بندی کمیشن قائم کیے گئے، ایک بنگال کی تقسیم اور آسام اور سلہٹ کی علیحدگی کے لیے اور دوسرا پنجاب کی تقسیم کے لیے ہر کمیشن میں چار چار ارکان میں دو نمائندے مسلم لیگ کے اور دو دو کانگریس کے تھے۔ فریقین کی رضامندی سے سر سرل ریڈ کلف کو چیئر مین مقرر کیا گیا۔43 تاریخی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو باونڈری کمیشن کا ریڈ کلف ایوارڈ امتیازی غیر دیانتدارانہ حقائق کو مسخ کرنے والی اور مایوس کن دستاویز تھی۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سر سرل ریڈ کلف کا نام محمد علی جناح نے تجویز کیا تھا۔ کیونکہ محمد علی جناح کو انکی دیانتداری اور اخلاقی بلندی پر اعتماد تھا۔ سر سائرل ریڈ کلف برطانیہ کے ممتاز بیرسٹر تھے اور یہی وجہ تھی کہ کمیشن کی سربراہی کے لیے ان کا نام کسی اور نے نہیں بلکہ خود محمد علی جناح نے تجویز کیا تھا۔ بحیثیت چیئر مین باونڈری کمیشن کا اصل اختیار ریڈ کلف کے پاس تھا۔ کیونکہ انہیں فیصلہ کن رائے دینے کا اختیار دے دیا گیا تھا۔44 جناح کو نہرو، پٹیل، لیاقت علی خان اور بال دیر سے ملاقات کے لیے وائسرائے کے دفتر میں مدعو کیا گیا تھا تا کہ پارٹیشن کونسل جو بعد میں باونڈری کمیشن کے قالب میں ڈھلی پر بات کی جائے۔ پنجاب اور بنگال کی تقسیم پر بننے والے کمیشن میں ہائی کورٹ کے چار ججوں کو شامل ہونا تھا جن میں سے دو کانگریس اور دو مسلم لیگ کو نامزد کرنا تھا۔ جناح نے باونڈری کمیشن کی سربراہی کے لیے برطانیہ کے ممتاز بیرسٹر سر سائرل ریڈ کلف کا نام، تجویز کیا حالانکہ ریڈ کلف اس سے قبل نہ بھارت آیا تھا اور نہ اس نے کبھی بھارت کے مسائل پر کوئی قابل ذکر رائے دی تھی۔ اس کے باوجود اس کے نام سے اتفاق کر لیا گیا تھا۔ اب لاکھوں ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں کی تقدیر کا فیصلہ کرنا تھا۔ کیونکہ اسے کسی معاملے میں کمیشن کے ارکان کے ووٹ برابر ہونے کی صورت میں حتمی فیصلہ دینا تھا اور اس کا موقع بار بار آنے والا تھا۔ اگرچہ بعد میں نہرو نے ریڈ کلف کی نامزدگی پر اس کے قدامت پسند ہونے کے باعث اپنے تحفظات کا اظہار کیا تھا اور مطالبہ کیا تھا کہ فیڈرل کورٹ کو حتمی ثالثی کا اختیار دیا جائے لیکن جناح اس تجویز کی مخالفت پر آخر وقت تک قائم رہے تھے۔45 ریڈ کلف کے بھارت پہنچتے

ہی ماونٹ بیٹن نے گویا انہیں ہائی جیک کر لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے بعد میں جو کچھ بھی کیا اس پر ماونٹ بیٹن کا براہ راست اثر غالب نظر آتا رہا تھا۔ کمیشن کے اجلاس کی صدارت کے لیے لاہور پہنچنے پر اس نے جسٹس منیر اور جسٹس دین محمد پر یہ واضح کر دیا کہ گورنر جنرل کو جو رپورٹ پیش کی جائے گی اسے وہ خود تیار کرائے گا۔ ریڈ کلف کی اس بات نے اس کے خیالات کھول کر رکھ دیے تھے اور باونڈری کمیشن میں مسلم لیگ کے نامزد کردہ جسٹس منیر اور جسٹس دین محمد کے خلاف اس کا مخاصمانہ رویہ سب پر واضح ہو گیا تھا۔ جسٹس منیر اس وقت ششدر رہ گئے تھے جب انہیں محسوس ہوا کہ وہ اور ان کے ساتھی جسٹس دین محمد کے پاس رائے دینے کا اختیار چھن چکا ہے۔ اس لیے اس صورتحال میں دونوں نے استعفٰی دینے کی پیش کش کی لیکن مسلم لیگ کے اعلیٰ حکام نے انہیں کام جاری رکھنے کا کہا۔ جسٹس منیر کے انکشاف کے مطابق ان کو اور انکے ساتھی دین محمد کو جب پتا چلا کہ کشمیر کا بھارت سے زمینی رابطہ قائم رکھنے کے لیے گرداسپور کا پورا علاقہ بھارت کے حوالے کرنے کا منصوبہ ہے تو انہوں نے مسلم لیگ کی اعلیٰ قیادت کو اس سازش سے آگاہ کیا لیکن ایک بار پھر انہیں کام جاری رکھنے کی ہدایت کی گئی۔ 46 ریڈ کلف اور ماونٹ بیٹن نے باہم ساز باز کر کے باونڈری کمیشن کے فیصلے میں تبدیلی کی تھی۔ اس فیصلے پر 12 اگست کی تاریخ درج ہے لیکن اس کا اعلان 17 اگست یعنی قیام پاکستان سے تین دن بعد کیا گیا تھا۔ کمیشن نے غالب مسلم اکثریتی علاقے گرداسپور اور بٹالہ کو بھارت میں شامل کر کے دنیا کو حیران کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ کمیشن نے فیروز پور ہیڈ ورکس سمیت اس تحصیل کو بھارت کو حوالے کرنے کا فیصلہ ماونٹ بیٹن کے زیر اثر کیا تھا۔ یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی تھی کہ باونڈری کمیشن کے چیئرمین کی حیثیت سے ذمے داریاں نبھاتے ہوئے ریڈ کلف نے مسلمانوں کے ساتھ دھوکا بازی کی اور ان کے لیے تباہ کن کردار ادا کیا تھا۔ 47

ماحصل: بھارت میں 1857 میں جو بغاوت ہوئی اس کے نتیجے میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک تجارتی تنظیم کے بجائے جغرافیائی، سیاسی اور عسکری اہمیت اختیار کرلی۔ برطانیہ نے ہندووں اور مسلمانوں کے درمیان اختلافات سے فائدہ اٹھانے کی پالیسی اپنائی تھی اور برصغیر کی سیاسی تحریکوں کو دبانے کے لیے تقسیم کرو اور حکومت کرو کے تحت تاج برطانیہ نے اس پروگرام پر بھرپور عملدرآمد شروع کر دیا تھا۔ جس کا آغاز انیسویں صدی کے آخری عشروں میں ہوا تھا۔ یہ بات یقینی ہے کہ آیا انگریزوں نے، جو تقسیم کرو اور حکومت کرو کی پالیسی پر کاربند تھے، ہندووں اور مسلمانوں کے درمیان محاذ آرائی کی گہرائی کا اندازہ لگا لیا تھا انہوں نے اپنے مفاد پرستانہ پروگراموں کے تحت فرقہ وارانہ تلخیوں کی شدت میں خود اضافہ کیا تھا۔ بہرحال انگریزوں کو اس بات پر کوئی تشویش نہیں تھی کہ ان کی تفرقہ انگیز کارروائیوں سے امن و امان کے پروگرام کے بارے میں ان کے بلند بانگ دعووں کی تردید ہوتی ہے۔ ہندوستان میں برطانوی حکومت کا یہی طرزِ عمل تھا جس کی بنیاد پر بیسویں صدی کے شروع میں دیسی سیاسی کرداروں نے خود کو بدلتے ہوئے حالات کے سانچے میں ڈھال لیا تھا۔ یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ انگریزوں نے دونوں مخالف طبقوں کے درمیان مفاہمت کے لیے کوئی اقدام نہیں کیا تھا اور نہ ہی ہندو غلبہ رکھنے والی کانگریس پارٹی نے اسے اپنا مطمح نظر قرار دیا تھا بلکہ یہ کام مسلمانوں کے لیے چھوڑ دیا گیا، جو قانون کی حکمرانی سے اُمیدیں وابستہ رکھتے ہوئے

ہندوؤں کے ساتھ اختلافات ختم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلمان برطانیہ کی اس پالیسی سے بھی بخوبی آگاہ تھے جس کے تحت ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلافات کی حوصلہ افزائی کی جارہی تھی۔ اگرچہ اب بھی یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمان ایک جدید متحدہ ہندوستان کے قیام کی مخالفت کرتے رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو سیاسی علیحدگی کی ترغیب اس برطانوی طرزِ حکومت کے نتیجے میں ملی جس پر وہ برصغیر میں کاربند تھا اور اس طریق کار پر دوسری عالمی جنگ سے بہت پہلے سے عملدرآمد ہو رہا تھا۔ انگریزوں نے ہندو مسلم فرقہ واریت کے مسئلے کو امن وامان کے انتظامی مسئلے کی حیثیت سے دیکھا اور اس کی نزاکت اور پیچیدگیوں کا ادراک نہ کیا کیوں کہ وہ ان معاملوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ انیسویں صدی کے خاتمے پر جب بیسویں صدی کا آغاز ہوا تو برطانیہ تقریباً آدھی سے زیادہ دنیا کا قائد تھا۔ دنیا کے پانچویں حصے پر اسکی سلطنت قائم تھی۔ اس وسیع وعریض برطانوی سلطنت کا محور برصغیر بھارت تھا۔ بھارت کے حالات سے بیرونی دنیا اگرچہ صحیح طور پر آگاہ نہیں تھی اس کے باوجود برصغیر کے اندر رونما ہونے والے سیاسی واقعات بھارت اور عام طور پر پوری دنیا میں برطانیہ کے کردار کو از سر نو متعین کر رہے تھے۔ دوسری عالمی جنگ کے وقت بھارت میں عام انتشار کی کیفیت رونما تھی۔ جنگ کی وجہ سے معاشی بدحالی، طاعون و دیگر وبائی امراض کی مہلک وبا سے کروڑ کے لگ بھگ انسانی جانوں کا ضائع۔ جنگ کے دوران بھرتی ہونے والے سپاہیوں کی سبکدوشی، رولٹ ایکٹ اور جلیاں والہ باغ کا قتل عام، تحریک خلافت اور اس کے نتیجے میں جنم لینے والی تحریک ترک موالات سائمن کمیشن، بھگت سنگھ کی پھانسی اور گول میز کانفرنسوں کی ناکامی نے پورے بھارت میں برطانوی سامراج کے خلاف جذبات مشتعل کر دیئے تھے۔

حوالہ جات

1۔ چوہدری، محمد اعظم، ''تحریک پاکستان کی سرگزشت:1947-1857''، عبداللہ برادرز، لاہور، 2006، ص279

2۔ ہاشمی، انوار، ''تاریخ پاک وہند''، کراچی بک سینٹر، کراچی، سن ندارد، ص526

3۔ ایضاً

4۔ ضیاء، شکیل احمد، ''تاریخ پاک وہند''، 1966، ص ص536,537,538

5۔ ریاض، سید حسن، ''پاکستان ناگزیر تھا''، شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، جامعہ کراچی، کراچی، 2010، ص ص181,182

6۔ ناسک، صلاح الدین، ''تحریک آزادی''، عزیز بک ڈپو، لاہور، سن ندارد، ص462

7۔ چوہدری، اعظم، ''تحریک پاکستان کی سرگزشت''، 1857 تا 1947، عبداللہ برادرز، لاہور، 2006، ص ص316,317

8۔ ہاشمی، انوار، ''تاریخ پاک وہند''، کراچی بک سینٹر، کراچی، سن ندارد، ص ص529,528

9. Available at https://www.46.pakpedia.46.pk/2nd-world-war-and-its-effect-on-subcontinent#ref-

link-1/Accesed 10-3-2019

10. Gwyer, Maurice.L, Appadorai, A, "Speeches and documents on the Indian Constitution 1921-47" Oxford University Press, Bombay, 1957, Vol-2, PP- 488-487

11۔ قریشی اشتیاق حسین، "جدوجہد پاکستان"، اردو ترجمہ از، "The Struggle for Pakistan" 84;، مترجم: ہلال احمد زبیری، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی، 2006، ص198۔197

12۔ ایضاً، ص200

13. Gwyer, Maurice L, Appadorai A, "Speeches and documents on the 73 Indian Constitution 1921-47",Oxford University Press, Bombay, 1957,Vol-2,PP- 488-487

14۔ قریشی اشتیاق حسین، "جدوجہد پاکستان"، اردو ترجمہ از، "The Struggle for Pakistan"، مترجم، ہلال احمد زبیری، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی، 2006، ص217

15۔ ایضاً، ص218

16۔ قریشی اشتیاق حسین، "جدوجہد پاکستان"، اردو ترجمہ از، "The Struggle for Pakistan"، مترجم، ہلال احمد زبیری، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی، 2006، ص221

17. Menon, V.P,The Transfer of Power in India, Orient Longman, Calcutta, 1999, P-100

18. Ahmed, Jamil Uddin, "Some Aspects of Pakistan", M Ashraf Publisher, Lahor,1945, P-205-206

19. Resolution of all India Muslim League, from April, 1940 to April 1941, Vol 2, P-315

20. Gwyer, Maurice, Appadorai, A, Speeches and documents, Vol, 2, P- 511-510

21. Amery,L.S, India and Freedom, Oxford University, Press, London, 1942, P-74

22۔ ضیاء، شکیل احمد، تاریخ پاک وہند" پبلیشر ندارد، 1966، ص613

23۔ احمد، اشتیاق، "پاکستان عسکری ریاست"، اردو ترجمہ از، "Pakistan the Garrision State (1947-2001)"، مترجم: ایم وسیم، مشعل بکس، پاکستان، 2016، ص42

24۔ ہاشمی، انوار، "تاریخ پاک وہند"، کراچی بک سینٹر، کراچی، سن ندارد، ص530

25۔ ضیاء، شکیل احمد، "تاریخ پاک وہند" پبلیشر ندارد، 1966، ص615

26۔ چوہدری، اعظم، "تحریک پاکستان کی سر گزشت"۔ عبد اللہ برادرز، لاہور، 2006، ص332

27۔ تارا، چند، "تاریخ تحریک آزادی ہند"، جلد چہارم، مترجم: قدوائی، ایم، ہاشم، بک ٹاک، ایم ہاشم قدوائی، لاہور، 2016، ص734

28۔ ایضاً، ص735

29۔ چوہدری، اعظم، "تحریک پاکستان کی سر گزشت"، عبد اللہ برادرز، لاہور، 2006، ص ص334۔333

30. Fischer, Louis, The Life of Mahatama Gandhi, 2 Vols, Bombay, Bahvan Book University, 1951,P-195

31۔ کامران، خالق، "تحریک پاکستان"، فیروز سنز لمٹیڈ، لاہور، سن ندارد، ص241

32۔ ایضاً، ص243

33. Jalal,Ayshas, The State of Martial Rule : The Origin of Pakistan Policy economy of defence, Cambridge University Press, Cambridge, 1990, P-107

34۔ ہاشمی، انوار، "تاریخ پاک وہند"، کراچی بک سینٹر، کراچی، سن ندارد، ص531

35۔ چوہدری، اعظم، "تحریک پاکستان کی سر گزشت"، عبد اللہ برادرز، لاہور، 2006، ص335

36۔ آئین ساز اسمبلی پاکستان میں ہونے والی بحثیں، جلد5، 1949، ص46

37۔ احمد، اشتیاق، "پاکستان عسکری ریاست"، اردو ترجمہ از، "Pakistan the Garrision State (1947-2001)"، مترجم: ایم وسیم، مشعل بکس، پاکستان، 2016، ص53

38۔ چوہدری، محمد اعظم، "مطالعہ پاکستان"، غضنفر اکیڈمی پاکستان، 2015، ص230

39۔ احمد، اشتیاق، "پاکستان عسکری ریاست"، اردو ترجمہ از، "Pakistan the Garrision State (1947-2001)"، مترجم: ہلال احمد زبیری، شعبہ تصنیف و تالیف ترجمہ جامعہ، کراچی، 2006، ص358

40۔ اشتیاق، احمد، پاکستان عسکری ریاست، اردو ترجمہ، Pakistan the Garrison State Origin Evolution, Consequences (1994-2001)، مترجم، ایم وسیم، مشعل بکس پاکستان، 2016، ص49

41۔ احمد، اشتیاق، "پاکستان عسکری ریاست"، اردو ترجمہ از، "Pakistan the Garrision State (1947-2001)"، مترجم: ہلال احمد زبیری، شعبہ تصنیف و تالیف ترجمہ جامعہ، کراچی، 2006، ص386

42۔ احمد، اشتیاق، "پاکستان عسکری ریاست"، اردو ترجمہ از، "Pakistan the Garrision State (1947-2001)"، مترجم: ایم وسیم، مشعل بکس، پاکستان، 2016، ص49

43۔ساگر،طارق اسمعیل،"پاک بھارت تعلقات"،تاریخ وتجزیہ،طاہر سنز،لاہور،2006،ص،51۔50

44۔احمد،سید سمیع،"پاکستان کا سیاسی ارتقاءاور فوج کا کردار"،اردو ترجمہ از،History of Pakistan & Role of the Army،مترجم:اعوان،اخگر انوار،رائل بک کمپنی،کراچی،2016،ص30

45. Wolpert, Stanley, Jinnah of Pakistan, Oxford University Press, New York, 1984, P-332

46. Ahmed, Muneer, Form Jinnah to Zia, Vanguard Book, University of Virginia, Virginia, 1980, P-12

47۔احمد،سید سمیع،"پاکستان کا سیاسی ارتقاءاور فوج کا کردار"،اردو ترجمہ از،History of Pakistan & Role of the Army،مترجم:اعوان،اخگر انوار،رائل بک کمپنی،کراچی،2016،ص32

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.